ہارون الرشید

پی ایچ ڈی اسکالر، شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

ڈاکٹر محمد رحمان

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

ڈاکٹر نذر عابد

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ

احمد جاوید کے افسانوں میں علامت نگاری: ایک تجزیاتی مطالعہ

Haroon ur Rashid
PhD Scholar, Department of Urdu, Hazara University Mansehra.
Dr.Muhammad Rehman
Assistant professor, Department of Urdu, Hazara University Mansehra.
Dr.Nazar Abid
Assistant professor, Department of Urdu, Hazara University Mansehra.

Symbolism in Amed Javed Short Stories: A Critical Study

Ahmed Javed has a significant place in the Urdu Fiction. He started fiction writing in the 1970’s. His writing’s gave dignity to Urdu fiction. This was the time when Pakistan was dismembered. The period of time that followed, saw negative effects on social and political values of our society. Ahmed Javed wrote in an environment of oppression and suffocation and accentuated the public sentiments in his writings. He depicted in his fiction the symbolic characters of Animals like wolf, dove, cat, mouse etc and through them symbolized the public sentiments. His impact will last for a long time in Urdu Fiction writing.This article focuses on that aspects of Ahmed Javed’s Fiction.

Keywords: *Ahmed Javed, Symbolism, Short Story, Urdu Fiction, 1070, Nawazish Ali.*

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

علامت کی ابتدا بھی انسانی زندگی کے ساتھ ہوئی اور ادب میں اس کا استعمال ادب کے کے ساتھ آغاز ہوا۔ انسانی زندگی کے ابتدائی دور کے مذاہب، دیومالا، آرٹ، فلسفہ اور نفسیات میں علامتوں کے آثار ملتے ہیں۔ معمولی اور غیر معمولی باتوں کے اظہار کے لیے علامتوں کا ہی سہارا لیا گیا۔ چارلس فیڈسن جوئیر نے تو اس دنیا کو ہی علامت کہا ہے۔ علامت کے دو مفہوم ہوتے ہیں، ظاہری یا خارجی اور داخلی یا باطنی، علامت کا تعلق لفظ کے باطنی مفہوم سے ہوتا ہے۔

علامتیں دو طرح کی ہوتی ہیں، ادبی اور غیر ادبی، خیالات کے اظہار کے لیے ادبی علامتیں ہیں جب کہ کچھ غیر ادبی علامتیں ہیں۔ مثلاً ریاضی و مصوری کی یا مذہبی علامتیں۔ عموماً علامتی افسانوں کی بنیاد کسی قدیم داستان، مذہبی قصہ، تلمیح، اساطیر، بچوں کی کہانی یا حکایت پر ہوتی ہے۔ گویا علامت ماضی اور حال کے درمیان ایک پل کا کام کرتی ہے۔

علامت نگاری ایک وسیع اور جامع اصطلاح ہے۔ یہ مغرب سے آئی۔ Symbol یونانی لفظ Symbolism سے نکلا ہے۔ اس کے معنی ایک دوسرے کے ساتھ جوڑنا یا ملانا ہیں۔ جب دو چیزیں اس طرح جوڑ دی جائیں کہ دونوں چیزیں مل کر ایک کی نمائندگی کرنے لگیں تو اسے علامت کہا جاتا ہے۔ علامت کے لغوی معنوی، نشان، کھوج' سراغ اور اشارہ کنایہ کے ہیں۔ علامت قدیم ترین ذریعہ اظہار ہے۔ علامت ایک مکمل نظام کا نام ہے۔ لغت میں اس کے لفظی معنی تو دستیاب ہیں مگر مکمل مفہوم نہیں ہے۔

ڈاکٹر گوہر نوشاہی کہتے ہیں:

> "میرے نزدیک اس سے بڑی جہالت اور کوئی نہیں کہ کوئی شخص تخلیقی لفظ کی تلاش لغت میں کرے۔ کیونکہ لغت کی کتاب میں اس لفظ کا جو کسی تخلیقی فن پارے میں آتا ہے، صرف ڈھانچہ ہوتا ہے اس کی پوری ذات نہیں ہوتی" [۱]

ستر کی دہائی پاکستان کی تاریخ میں تبدیلیوں کی دہائی ہے۔ اسی میں سقوط ڈھاکہ کا المناک سانحہ ہوا اور اس کے چند برس بعد ۱۹۷۷ میں مارشل لاء لگا۔ اس سے ہمارے معاشرے میں جو شکست و ریخت ہوئی اس نے ہمارے تخلیقی ادب کے مزاج کو بھی بدل دیا۔ یہ چونکہ تبدیلی کا دور تھا اس لیے ادب کے اندر بھی تبدیلیاں ناگزیر تھیں۔ افسانوں کے موضوعات اور اسالیب میں تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ پرانے افسانے کی مخاصمت دم توڑ چکی تھی اور اب

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ایک نئے افسانے کا دور طلوع ہو رہا تھا۔ کیونکہ زندگی کے تمام مسائل حیطہ فکر میں آچکے تھے اور مختلف النوع اسالیب متعارف ہو چکے تھے۔ اس دور کے حالات کا یقیناً سب کو ادراک تھا۔ افسانے میں ہیئت اسلوب اور تکنیک کے نئے تجربے ہوئے۔ اورافسانے میں تشبیہی، استعاراتی، علامتی، نیم علامتی، تجریدی، تمثیلی اسلوب افسانے میں وارد ہوا۔ ہمارے افسانہ نگاروں نے جدید اسلوب اختیار کر کے ادب میں اپنا مقام بنایا۔ اس دور میں انتظار حسین، انور سجاد، خالدہ حسین، احمد داؤد، منشایاد اور مظہر الاسلام نے افسانوی اسلوب میں نئے تجربات کیے۔ یہ سارے افسانہ نگار جذبات کی صداقت سے سرشار اور اپنی فکر میں معنویت اور مقبولیت کے قائل تھے۔ ان میں ایک اہم نام احمد جاوید کا بھی ہے جو اپنے ہم عصروں سے مختلف ہیں۔ وہ اپنے افسانے میں انٹی لیکچول پوز دیتے ہیں اور نہ ہی کسی فلسفیانہ موضوع پر بحث کرتے ہیں وہ اپنے شعور کی رو سے اپنی کہانی کی شناخت کرواتے ہیں۔

انیس ناگی کا خیال ہے:

> "افسانے میں سب سے اہم عنصر اس کا اسلوب ہے۔ افسانہ نگار کہانی کو اس طرح افسانے میں منتقل کرتا ہے کہ اس کا لسانی اسلوب معانی کی تشکیل کرتا ہے جو سرسری زبان میں لکھے جاتے ہیں، وہ عموماً محدود معنی کے حامل ہوتے ہیں۔ افسانہ نگار کو اپنے افسانے کی فضا اور کرداروں کی موجودگی میں ایک لہجہ تعمیر کرنا ہوتا ہے۔ فکشن میں عام طور پر لہجے کی زبان ہوتی ہے۔ جو صرف ونحو کی پابندی کو پھلانگ کر آگے نکل جاتی ہے۔ حقیقت پسند افسانہ نگار ایک تاثراتی مصور کی طرح تیز تیز سٹروکس لگا کر اپنے مؤقف کی تشکیل کرتا ہے وہ افسانے کے معنی کھول کر بیان کرنے کی بجائے اس کی طرف اشارہ کرتا ہے" [۲]

احمد جاوید نظریاتی اعتبار سے ترقی پسند اور فنی لحاظ سے علامت پرست ہیں۔ ان کی علامتیں ان کے نظریاتی لگاؤ، معاشرتی شعور سے کماحقہ لبریز اور استعمال میں ہنرکاری کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ انہوں نے علامتوں کے ذریعے اپنے معاشرے کے مسائل کو اجاگر کیا جن کا ایک عام قاری بھی ادراک کر سکتا ہے۔ ان کی کہانیوں کا پہلا مجموعہ بھی "غیر علامتی کہانی" ہے جو فکر سے موضوع تک، ترتیب سے تزئین تک، تکنیکی ہنرکاری سے لفظیات کے استعمال تک علامت ہی علامت ہے۔ انہوں نے اس وقت افسانہ نگاری کا آغاز کیا جب ہمارا معاشرہ سماجی اور سیاسی اانتشار کا شکار تھا۔ اس لیے ان کے کئی افسانوں میں سیاسی اور سماجی استحصال، نچلے طبقے کے مسائل اور سیاسی جبرت کی عکاسی نظر آتی ہے۔

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

ناصر زیدی رقمطراز ہیں:

"احمد جاوید کے افسانے فکری اعتبار سے اپنے معاشرے کے معاشی وسماجی موضوعات کے گرد گھومتے ہیں۔ چند افسانوں میں سیاسی اور معاشرتی رد عمل کی بناپر بدی سے جنم لیے ہوئے کرداروں کی جھلکیاں بھی ملتی ہیں۔ کہانی کار نے اس زمانے کی روح کو اپنے اندر سمیٹ لیا ہے جس میں وہ سانسیں لے رہا ہے" (۳)

احمد جاوید کے افسانوں کے پس منظر میں آدمی کا احساس اور درد لہراتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جو اسے فطرت سے قریب کرکے دکھاتا ہے۔ وہ ایسے موسموں کی تلاش میں سرگرداں پھرتا ہے جو خزاں زدہ موسم میں بھی پھول کھلا سکے۔ ان کے افسانے "غیر علامتی کہانی"، "کولھو کا بیل"، "آثار" اور "گشت پر نکلا ہوا سپاہی" اسی نوعیت کے افسانے ہیں۔ "کولھو کا بیل" بھی ایسا ہی ایک علامتی افسانہ ہے۔ ان کے افسانوں میں خوف بھی ہے اور یہ خوف غیر یقینی مستقبل کا ہے۔ ان کے خیال میں زندگی ایک ہی ڈھب سے گزرتی جاتی ہے اور آدمی نئے راستوں کی تلاش میں ہے۔ احمد جاوید کے افسانوں کا یہ انداز ہماری سماجی زندگی کی طرف اشارہ ہے۔ ان کے افسانوں میں موضوع، فضا اور اسلوب میں ہم آہنگی خوشگوار افسانوی تاثر چھوڑتا ہے۔

بقول ڈاکٹر نوازش علی:

"احمد جاوید کے افسانے روایتی انداز کا افسانہ پڑھنے والے قارئین کو بالکل نچلی سطح پر یا بالکل سامنے بھی محفوظ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ اور ان کے قارئین بھی ان سے علامتی واستعاراتی سطح پر لطف اندوز ہو سکتے ہیں اور ان پوشیدہ معانی تک باآسانی پہنچ جاتے ہیں جو افسانہ نگار کا خصوصی منشا ہے"۔ (۴)

"غیر علامتی کہانی" میں اس وقت کا وطن عزیز کا سیاسی منظر نامہ نظر آتا ہے۔ یہ وہ وقت تھا جب مارشل لاء نے ہر چیز پر خوف وہراس کے سائے طاری کر رکھے تھے۔ ان کی تمام کہانیوں میں سماجی وسیاسی استحصال بھی نظر آتا ہے۔ انہوں نے علامتوں کے ذریعے معاشرے کے حقیقی مسائل کو اپنے افسانوں کا موضوع بنایا۔

احمد جاوید کے افسانوی مجموعے "چڑیا گھر" جس میں بارہ کہانیاں شامل ہیں جس میں انہوں نے مختلف جانوروں اور پرندوں کو کرداری شکل میں پیش کیا ہے۔ انہوں نے زیادہ تر علامتیں چڑیا، چمگادڑ، بلی، کتا وغیرہ کے نام

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

سے وضع کی ہیں۔ "چڑیاگھر" کے افسانے تمثیلی صورت میں تحریر کیے گئے ہیں۔ افسانے "چڑیاگھر" میں بھی سیاسی جبریت و سماجی استحصال کو موضوع بنایا گیا ہے۔ مارشل لاء کے دور کی عکاسی ان کے ہاں ہر جگہ نظر آتی ہے۔ بقول منشایاد:

> "احمد جاوید ستر کی دہائی میں ابھرنے والے جدید افسانہ نگاروں میں سے ایک ہیں۔ ان کا دوسرا مجموعہ "چڑیاگھر" کے نام سے شائع ہوا ہے، جس میں چرند پرند اور کیڑے مکوڑوں کو علامتوں اور تمثیلوں کے روپ میں پیش کیا گیا ہے، اور گزشتہ جبر کے دور کا احوال سنایا گیا ہے"۔[۵]

ان کے افسانے "آسیب زدہ رات" میں بلی کو ایک علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے اور معاشرتی صورتحال کو بلی کے ذریعے نمایاں کیا گیا ہے اور وہ خوف جو فوجی آمریت کی وجہ سے تھا اس کا اظہار انہوں نے کچھ یوں کیا ہے:

> "مجھے کالی بلی سے بھی ڈر لگا تھا۔ کالی بلی تو نحوست کی علامت ہے، راستہ کاٹ جائے تو سفر رائیگاں ہو جاتا ہے۔ میں نے یہ جانا کہ آج شب میرے مکان پر کالی بلی کا سایہ ہے۔ چوری چکاری کا اندیشہ ہے"۔[۶]

"چڑیاگھر" کے ایک اور افسانے "بھیڑیے" کو ظلم کی علامت کے طور پر پیش کیا گیا ہے کہ کس طرح وہ کمزوروں اور لاچاروں کو بھیڑ بکریوں کی طرح شکار کر لیتے ہیں۔ انہوں نے اس افسانے میں یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ انسان نما بھیڑیے، بھیڑیوں سے زیادہ خطرناک اور مہلک ہوتے ہیں۔
ڈاکٹر نوازش علی لکھتے ہیں:

> "وہ علامات کی وجہ سے انسانوں کو خانوں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ آدمی یا آدمی ہو جاتا ہے، یا پھر کتا، بھیڑیا، چوہا، بلی اور کوا ہو جاتا ہے"۔[۷]

احمد جاوید کا تیسرا مجموعہ "گمشدہ شہر کی داستان" ہے۔ جس کا مرکزی نقطہ "گمشدگی" ہے۔ "گمشدہ شہر کی داستان" بھی ایک علامتی افسانہ ہے۔ جب ملک میں فوجی راج تھا۔ گویا ملک میں ایک گمشدگی کی فضا قائم تھی۔ لوگ خواب غفلت میں پڑے ہوئے تھے اور یہی غفلت اور لاپرواہی ان کی تباہی و بربادی کا باعث بنی۔

"رات بند کمروں میں سونے والوں نے جاگنے پر آسمان دیکھا کہ جس پر سیاہ گھنگھور گھٹائیں برسنے کو تلی کھڑی تھیں، لوگوں کی حیرت بجا تھی کہ راتوں رات کیا ہوا کہ مکانوں کی چھتیں ہی غائب ہو گئیں اور وہ بھی اس صفائی سے کہ شہر کی باقی ہر شے سلامت تھی۔ لوگ پریشان ہوئے تو گھروں سے نکل کر کھلے میدان میں اکٹھے ہونے لگے"۔(۸)

اس افسانے میں پاکستان کے دولخت ہونے کا کرب بھی نظر آتا ہے جب حکمرانوں کی نااہلی اور بے حسی کی وجہ سے سقوط ڈھاکہ کا المیہ رونما ہوا۔ انہوں نے سقوط ڈھاکہ کو گمشدہ شہر کی علامت کے طور پر نہایت دردمندی سے پیش کیا ہے۔

افسانہ "کیا جانو میں کون" ایک علامتی افسانہ ہے جس کا موضوع فرد کی شناخت ہے۔ احمد جاوید نے اس میں زندگی کو ایک علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔ افسانے میں وہ خود سے سوال کرتا ہے کہ تم کون ہو؟۔ اس افسانے میں فرد کی تنہائی اور اس کی انفرادیت کا احساس ملتا ہے۔ ایک ایسا فرد جس کی اپنی دنیا ہو۔ اپنے خواب ہوں، اپنے دکھ اور خوشیاں ہوں اور اس کو کسی اور سے سروکار نہ ہو۔ انہوں نے ایک ایسے تنہا شخص کی نفسیات کو نمایاں کیا ہے وہ صرف خود کو سوچتا ہے۔ ملاحظہ ہوں۔

"تم کہاں تھے؟ وہاں جہاں درخت تھے، جہاں چڑیاں تھیں................ درختوں میں ایک درخت میرے صحن میں تھا چڑیوں میں اک چڑیا میرے گھر میں تھی، وہ بولتی تھی میں سنتا تھا۔ میں وہاں اکیلا تھا، چڑیا اکیلی تھی، درخت اکیلا تھا۔ وہ گھر اکیلا تھا۔ جہاں میں رہتا تھا، مگر تم کہاں تھے؟"(۹)

افسانہ "ٹھنڈی نیند کی کونپل" اس مجموعے کا آخری افسانہ ہے، جس میں بستر مرگ پر پڑے ہوئے شخص کے جذبات کو علامتی انداز میں اجاگر کیا گیا ہے کہ اب وہ موت کا سامنا کر رہا ہے اور یہ کسی کا لحاظ نہیں کرتی۔ یہاں آدمی اپنے ماضی کو یاد کرتا ہے اور اپنی ناآسودہ خواہشات اور آرزوؤں پر دکھی ہوتا ہے۔ احمد جاوید نے اس افسانے میں ایک مرتے ہوئے آدمی کے کرب اور دکھ کو اجاگر کیا ہے۔ یہ افسانہ انہوں نے اپنے والد گرامی کی یاد میں لکھا ہے۔ ایک مثال ملاحظہ کیجئے۔

"تو کیسا پڑا ہوا تھا کہ وہ چت لیٹا تھا۔ سر پر چھت پڑی تھی۔ دائیں بائیں دیواریں تھیں... نہ وہ سر اٹھا سکتا تھا، نہ پاؤں ہلا سکتا تھا.. اور ہر طرف سناٹا تھا اور گھپ اندھیرا۔ وہ گھپ

ISSN (Print): 2709-9636 | ISSN(Online) : 2709-9644 | ISSN-L : 2709-9636

اندھیرے میں ٹھنڈی نیند کے اندر کہیں جاگ رہا تھا اور سوچ رہا تھا، رات ختم کیوں نہیں
ہوتی... سناٹا کیوں ختم نہیں ہوتا. صبح کیوں نہیں ہوتی. راستہ کیوں نہیں ملتا......" (۱۰)

احمد جاوید کا آخری افسانوی مجموعہ "رات کی رانی" ہے۔ حسن اتفاق سے اس کی تمام کہانیوں کا محور "عورت" ہے۔ اس کی زیادہ تر کہانیاں سادہ اور بیانیہ انداز کی ہیں۔ لیکن چونکہ ان کا اسلوب علامتی و تجریدی ہے اس لیے ان کہانیوں میں بھی علامتی تاثر نہایت بھرپور شکل میں دکھائی دیتا ہے۔

افسانہ "رات کی رانی" ایک بیانیہ طرز کا افسانہ ہے اور اس میں بھی نہایت خوبصورت علامتی انداز پایا جاتا ہے۔ ان کا یہ افسانہ فرائیڈ کے نظریے کے زیر اثر آتا ہے۔ فرائیڈ نے سانپ اور مچھلی کو مردانہ اعضا کی نمائندگی کے لیے علامت کے طور پر چنا ہے۔ احمد جاوید نے بھی فرائیڈ کی وضع کردہ علامات کو اپنے اسلوب میں نہایت مہارت سے ڈھالا ہے۔ انہوں نے "رات کی رانی" میں نوجوان لڑکیوں کی ذہنی کیفیت کو اجاگر کیا ہے کہ وہ محبت کے جذبے کے زیر اثر رہتی ہیں، جو عموماً اس عمر میں ہوتا ہے۔ انہوں نے محبت کے جذبات کی ترجمانی "گلاب کے پھول" سے کی ہے۔ ان لڑکیوں کے پاس "گلاب کا پھول" ہوتا ہے۔ اس سے مراد محبت اور خوبصورت دنوں کی خوشگوار علامت ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے کتابوں میں رکھے ہوئے پھولوں سے ایک اور علامت ظاہر کی ہے۔ کتاب میں رکھے ہوئے سوکھے پھول گزری ہوئی عمر کی علامت ہیں۔ محبت عورت کے لہو میں رواں رہتی ہے اور جب اس پر کوئی خواہش غالب آتی ہے تو وہ اسے کتاب میں سے نکال کر دیکھتی ہے تو اداسی کا شکار ہو جاتی ہے۔ دیکھئے۔

"بے وفا تو عمر تھی، بس گزرتی جا رہی تھی اور اپنے نقوش اس پر چھوڑے جا رہی تھی۔ آئینہ
دیکھنا محال ہو رہا تھا..........اور ناراض تھی سب سے ناراض تھی۔ وقت سے بھی اور اپنی
ماں سے بھی"۔ (۱۱)

اس افسانے میں انہوں نے نئی استانی کو شریر، نٹ کھٹ اور چنچل لڑکی کے روپ میں پیش کیا ہے۔ جو اپنی محبت سے ایک لڑکی کو تبدیل کر دیتی ہے۔ "رات کی رانی" سے مراد جوان لڑکی ہے، وہ لڑکی خود کو نئی استانی کے روپ میں دیکھتی ہے اور سانپ سے مراد مرد ہے۔ نئی استانی بتاتی ہے کہ رات کی رانی کی خوشبو سے سانپ آجاتا ہے اور اس سے لپٹ جاتا ہے۔ یہ علامت جنسی رویے کی طرف اشارہ ہے۔ سانپ جنس کی علامت ہے اور "رات کی رانی" سے مراد اس عورت کی نفسانی خواہشات ہیں۔ کمروں کا بند ہونا، خوشبو کا محسوس ہونا، جنسی رویے کی طرف اشارہ ہے۔

افسانہ "پارسائی کی گرہ" بنیادی طور پر محبت کی کہانی ہے۔ ایک شادی شدہ لڑکی کا کردار ہے جو اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتی۔ لڑکی اور لڑکے کی دلچسپی کو احمد جاوید نے علامتوں کے ذریعے ظاہر کیا ہے۔ اس میں "پیاس" ایک علامت ہے جو جنسیت کی طرف اشارہ کرتی ہے۔ اس افسانے کا تیسرا کردار "روم میٹ" ہے جس میں قمیض کی گرہ کو افسانہ نگار نے لڑکی کی پارسائی سے جوڑا ہے۔

> "عجیب سا قصہ تھا، اس نے بتایا تھا کہ جب وہ گھر سے چلتا تھا تو اس کی بیوی اس کے کُرتے میں گانٹھ لگا دیتی تھی اور جب واپس جاتا تھا تو تب کھولتی تھی یہ گویا اس بات کی تاکید تھی کہ وہ لاہور کے سفر میں صرف اسی کو یاد رکھے گا اور کسی دوسری پر پھسل نہیں جائے گا"۔ (۱۲)

اس افسانے سے ایک علامت "بند بوتل" ہے۔ یہ بھی جنسی رویے کی طرف اشارہ ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے علامات کے ذریعے لڑکی اور لڑکے کی محبت کی کیفیت کو اجاگر کیا ہے۔ لڑکی پارسا ہے اور اپنی پارسائی کو برقرار رکھتی ہے۔ اس افسانے میں انہوں نے رومانی کیفیت کو علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔

احمد جاوید کو علامت نگاری کے فن میں یقیناً کمال حاصل ہے۔ ان کا تحریر کردہ ہر افسانہ علامات کے لحاظ سے منفرد قرار دیا جاسکتا ہے۔ وہ اپنے افسانوں میں ایسی فضا بناتے ہیں کہ کہانی لکھنے سے زیادہ کہانی سنانے کا انداز دکھائی دیتا ہے۔ ان کے افسانوں کے علامتی نظام میں رموز واوقاف کی جھلکیاں بھی نظر آتی ہیں۔ اور اکثر مقامات پر چھوٹے چھوٹے جملے افسانوں کو نہایت پر تاثیر بنا دیتے ہیں۔ احمد ندیم قاسمی نے شاید بالکل درست لکھا ہے:

> "اگر افسانے میں علامت نگاری کو زندہ رہنا ہے تو آئندہ علامت نگاروں کے لیے انتظار حسین، خالدہ حسین اور احمد جاوید نے اس بحرِ بے کنار میں جگہ جگہ لائٹ ہاؤس تعمیر کر دیئے ہیں"۔ (۱۳)

احمد جاوید ایسے افسانہ نگار ہیں جنہوں نے آج کی صورتحال کو ماضی کے تجربات سے منور کیا ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں علامتوں، استعاروں اور پیکروں کے ذریعے نفیس پیرایہ اظہار میں ان حالات کو پھیلا دیا ہے جن سے وہ گزر رہے ہیں، اور ان کا دور گزر رہا ہے۔ وہ شہر کو بھی حال کی علامت بنا لیتے ہیں۔ ان کے ہاں موضوع کی صداقت، عصری شعور اور احساس موجود ہے۔ اسی لیے ان کے ہاں ناامیدی اور درد انگیزی محض درد و غم نہیں بنتی بلکہ اندوہناک حالات میں بھی جینے کا سلیقہ ڈھونڈ لیتی ہے۔ ان کا فنی مشاہدہ، گہرائی کا ادراک، واقعات، ماحول اور

اختصار مگر جامعیت سے ابھرتا ہوا اسلوب ان کی شناخت بن چکا ہے۔ ان کی پیش کش میں ایک نفاست اور فکر و نظر میں توازن نہایت متاثر کن ہے۔

حوالہ جات

۱ ڈاکٹر گوہر نوشاہی، تخلیقی صلاحیت، مشمولہ "نئی شاعری" مرتبہ افتخار جالب، پورب اکادمی، اسلام آباد ۱۹۹۷ء، ص۔ ٦٦

۲ انیس ناگی، نئے افسانے کی کہانی، جمالیات، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص۔ ۹

۳ ناصر زیدی، غیر علامتی کہانی: احمد جاوید کا نثری لینڈ سکیپ، مشمولہ ویکلی حرمت، کراچی ۲۰۰۹ء

۴ ڈاکٹر نوازش علی، اردو افسانہ نگاروں کے اسالیب، مشمولہ دریافت، نمل اسلام آباد شمارہ جون ۲۰۰۳ء

۵ منشایاد، فکشن ۹۵، روزنامہ جنگ راولپنڈی، ۱۹۹٦

٦ احمد جاوید، غیر علامتی کہانی، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۔ ۲۴۷

۷ احمد جاوید، چڑیا گھر، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۔ ۱۷۸

۸ احمد جاوید، گمشدہ شہر کی داستان، پورب اکادمی اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۔ ۳٦۸

۹ ایضاً ص ۴۰۳

۱۰ ایضاً ص ۴۲۷

۱۱ احمد جاوید، رات کی رانی، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۔ ۳۱

۱۲ ایضاً

۱۳ احمد ندیم قاسمی، مجموعہ (افسانے)، پورب اکادمی، اسلام آباد، ۲۰۱۴ء، ص۔ ۴۴